سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے

طالب الہاشمی

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ
شہسوارِ قریش

①

سرورِ عالم ﷺ کی طرف سے ہجرت کا اِذن ملنے پر بیشتر صحابۂ کرامؓ جو سالہا سال سے مشرکینِ مکہ کے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے، اپنے گھر بار اور وطنِ عزیز کو خیر باد کہہ کر یثرب آ گئے ـــــ جلد ہی بعد حضورؑ نے بھی یثرب میں نزول اجلال فرمایا اور ارضِ حجاز کا یہ قدیم شہر ''مدینۃ النبیؐ'' بن گیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ مہاجرین کے مدینہ آنے کے بعد عرصہ تک ان میں سے کسی کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ یہودِ مدینہ جو نہایت بد باطن اور شریر لوگ تھے، انھوں نے مشہور کر دیا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر کے ان کا سلسلۂ نسل منقطع کر دیا ہے۔ مسلمانوں کو یہود کی باتوں پر یقین تو نہیں تھا پھر بھی وہ کچھ افسردہ سے تھے۔ عین اس وقت جب یہودیوں کی شر انگیزی پورے عروج پر تھی، ایک مہاجر گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس بچے کی ولادت کی خبر مشہور ہوئی تو مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے وفورِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ دشت وجبل گونج اٹھے۔ اس بچے کے والدین اس کو لے کر سرورِ کونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے بچے کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ پھر ایک کھجور منگوائی، دہن مبارک میں ڈال کر اسے چبایا اور اپنے لعابِ دہن کے ساتھ اسے نومولود کے منہ میں ڈال دیا۔ پھر اس بچے کے لیے دُعائے خیر وبرکت مانگی اور اسے اس کی والدہ کی گود میں ڈال دیا۔

یہ خوش بخت بچہ جس کی پیدائش پر اہلِ حق نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا اور جس کے دہن وشکم میں سب سے پہلے جو چیز گئی وہ رحمتِ دو عالم فخرِ موجودات سیّد الانبیاء والمرسلین ﷺ کا مقدس لعابِ دہن تھا، سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ تاریخِ اسلام کی نہایت اہم اور قد آور شخصیت ہیں۔ اگر چہ سرورِ عالم ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر دس برس سے زیادہ نہ تھی لیکن اپنے شرفِ خاندانی، علم وفضل، زہد وعبادت، شجاعت وشہامت اور بعض دوسرے اوصاف کی بنا پر ان کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان بنواسد سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبد اللہ بن زبیرؓ بن العوّام بن خویلد بن اسد بن عبد العزّیٰ بن قصی

حضرت عبد اللہؓ کے والد حضرت زبیر بن العوّامؓ اصحابِ عشرہ مبشرہؓ میں سے ہیں۔ حواریِ رسولؐ ان کا لقب تھا اور وہ اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ حضورؐ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنتِ عبد المطلب ان کی والدہ تھیں۔ اس نسبت سے حضورؐ ان کے ماموں زاد بھائی تھے اور حضرت عبد اللہؓ حضورؐ کے بھتیجے۔

حضرت عبد اللہؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی بڑی صاحب زادی تھیں ان کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا لقب ذات النطاق یا ذات النطاقین تھا کیوں کہ ہجرتِ نبوی کے موقع پر انھوں نے اپنا کمر بند (نطاق) پھاڑ کر کھانے کے برتن کا منہ باندھا تھا۔ والدہ کے تعلق سے محسنۂ امت امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی خالہ تھیں۔ غرض دادھیال اور نانہال دونوں کے اعتبار سے ان کا خاندانی شرف ومجد سب کے نزدیک مسلم تھا۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے سالِ ولادت کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق وہ ۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور دوسری روایت کے مطابق ان کی ولادت ہجرت سے بیس ماہ بعد ۲ ہجری میں ہوئی۔ جس فضا اور ماحول میں ان کی ولادت ہوئی اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضورؐ نے ان کے جلیل القدر نانا کی کنیت پر ان کی کنیت بھی ابوبکر رکھی۔ ان کی دوسری کنیت ابوخبیب تھی اور اسی نے زیادہ شہرت پائی۔

امام حاکمؒ نے اپنی ''مستدرک'' میں لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ سات آٹھ برس کے

ہوئے تو ایک دن حضرت زبیرؓ انھیں ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ میرے اس بچے کو بیعت سے مشرف فرمائیے۔''

حضورؐ کم سن عبداللہؓ کو دیکھ کر متبسم ہوئے اور پھر انھیں بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ بیعت سے مشرف فرمایا۔

اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو سرورِ عالم ﷺ سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ وہ اکثر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوتے اور فیضانِ رسالت سے خوب بہرہ یاب ہوتے۔ امُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھانجے سے بہت محبت تھی اس لیے وہ کبھی والدہ کے ہمراہ اور کبھی تنہا ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حافظہ نہایت قوی پایا تھا، حضورؐ کو جو کچھ کرتا دیکھتے یا آپؐ سے جو کچھ سنتے اسے یاد رکھتے تھے چناں چہ انھوں نے متعدد احادیث براہِ راست حضورؐ سے روایت کی ہیں۔

ایک مرتبہ سرورِ عالم ﷺ نے پچھنے لگوائے۔ اس وقت حضرت عبداللہؓ بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ پچھنے لگنے سے جو خون نکلا، حضورؐ نے وہ حضرت عبداللہؓ کو دے کر فرمایا کہ اس کو کہیں دبا دو۔ ان کو حضورؐ سے اس قدر محبت اور عقیدت تھی کہ یہ مقدس خون خاک میں دبانا گوارا نہ ہوا۔ حضورؐ کی نظروں سے اوجھل ہو کر اس کو پی لیا۔ واپس آئے تو آپؐ نے پوچھا، اس خون کو کہاں پھینکا؟

انھوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! میں نے اس کو پی لیا۔''

حضورؐ نے فرمایا۔ ''جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی البتہ ایک دن تم لوگوں کے ہاتھ سے اور لوگ تمھارے ہاتھ سے مارے جائیں گے۔''

(تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ بحوالہ مسند ابویعلیٰ)

(۳)

حضرت عبداللہؓ بچپن ہی سے بہت دلیر اور نڈر تھے۔ جنگِ خندق کے وقت ان کی عمر تقریباً پانچ برس کی تھی۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں وہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر جنگ کے مناظر دیکھا کرتے تھے اور ذرا بھی خوف نہیں کھاتے تھے۔

ایک مرتبہ وہ اپنے چند ہم عصر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ کسی شخص نے بچوں کو ڈرانے کے لیے بھیانک آواز نکالی۔ دوسرے بچے تو ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن حضرت عبداللہؓ اپنی جگہ پر ڈٹے رہے پھر اپنے ساتھیوں کو واپس بلایا اور ان سے کہا، میں تمھارا سردار بنتا ہوں آؤ سب مل کر اس شخص کو اس کی شرارت کا مزہ چکھائیں۔ چناں چہ سب لڑکے ان کو اپنا سردار بنا کر اس شخص پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ اس کو بھاگتے ہی بنی۔

حضرت عمر فاروقؓ بڑے رعب اور دبدبہ کے آدمی تھے۔ اگر بچے کسی جگہ کھیل رہے ہوتے اور ان کو دیکھ لیتے تو بھاگ کھڑے ہوتے۔ ایک دن حضرت عبداللہؓ بہت سے ہمجولیوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ اُدھر سے حضرت عمر فاروقؓ گزرے۔ سب لڑکے کھیل چھوڑ چھاڑ اِدھر اُدھر دبک گئے لیکن حضرت عبداللہؓ وہیں کھڑے رہے۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے پوچھا۔ ''لڑکے تم کیوں نہیں بھاگے؟''

حضرت عبداللہؓ نے بے باکی سے جواب دیا۔ ''میں کیوں بھاگتا؟ نہ میں نے کوئی شرارت کی ہے اور نہ راستہ تنگ ہے کہ آپ کے لیے چھوڑتا۔''

حضرت عمر فاروقؓ ان کی جرأت اور بے خوفی دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

حضرت عبداللہؓ عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی میں کمسن تھے اس لیے کسی غزوے میں شریک نہ ہوسکے۔ عہدِ فاروقی میں اُن کا عنفوانِ شباب تھا۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے ''الاِصابہ'' میں لکھا ہے کہ اس عہد میں وہ سب سے پہلے اپنے والد کے ہم راہ جنگِ یرموک (۱۵ھ) میں شریک ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ برس کے لگ بھگ تھی۔ چوں کہ ابھی ناتجربہ کار تھے اور جنگ کے ہنگامے میں انھیں نقصان پہنچ جانے کا خدشہ تھا، اس لیے حضرت زبیرؓ نے انھیں گھوڑے پر سوار کر دیا تھا اور ایک مجاہد کو ان کی حفاظت پر مامور کر دیا تھا۔

۱۹ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی مدد کے لیے ایک امدادی فوج مصر روانہ کی۔ حضرت عبداللہؓ کے والد حضرت زبیرؓ بھی اس کے افسروں میں شامل تھے۔ انھوں نے مدینہ سے چلتے وقت اپنے ساتھ حضرت عبداللہؓ کو بھی لے لیا۔ چناں چہ وہ مصر کے کئی معرکوں میں اپنے والد کے ساتھ شریک ہوئے۔ مصر سے واپسی کے بعد وہ تحصیلِ علم میں مشغول

ہو گئے حتیٰ کہ ۲۴ھ میں حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت کا آغاز ہو گیا۔ ۲۶ ہجری میں امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ غنی نے حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو طرابلس (لیبیا) کی تسخیر کے لیے افریقیہ روانہ کیا (افریقیہ اس زمانے میں لیبیا، الجزائر اور مراکش وغیرہ کے مجموعے کا نام تھا اور طرابلس اس کا مرکزِ حکومت تھا)۔

طرابلس کا حکمراں ایک عیسائی بطریق جرجیر گریگوری (Exarch Gregory) نامی ایک آزمودہ کار جرنیل تھا۔ وہ ایک لاکھ بیس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل لشکر مسلمانوں کے مقابلے پر لے آیا۔ اس کی ایک بیٹی، جس کا نام بعض روایتوں میں فلپانا بیان کیا گیا ہے، حسن و جمال اور ذہانت و شجاعت میں اپنی مثال آپ تھی وہ بھی باپ کے پہلو بہ پہلو گھوڑے پر سوار ہو کر لڑائی میں شریک ہوتی تھی اور اپنے لشکر کو مسلمانوں کے خلاف جوش دلاتی تھی۔ کئی ماہ تک دونوں فوجوں کے درمیان جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن لڑائی کا کوئی فیصلہ ہونے میں نہ آیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جرجیر نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ کر لائے گا اسے وہ ایک لاکھ دینار نقد انعام دے گا اور اپنی بیٹی بھی اس کے ساتھ بیاہ دے گا۔ اس اعلان سے عیسائی لشکر کی ہمت دو چند ہو گئی تھی اور بہت سے عیسائی فوجی حضرت عبد اللہ بن سعدؓ کی تاک میں رہتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن سعدؓ نے بہ نظرِ احتیاط میدانِ جنگ میں آنا چھوڑ دیا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ کو کئی ماہ تک لڑائی کے نتیجے کی اطلاع نہ ملی تو انھوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی سرکردگی میں ایک کمکی فوج طرابلس بھیجی۔ ابنِ زبیرؓ میدانِ جہاد میں وارد ہوئے تو مسلمانوں نے انھیں دیکھ کر تکبیر کا نعرہ لگایا۔ جرجیر نے اس کا سبب پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے تازہ دم فوج پہنچی ہے۔ اس پر وہ سراسیمہ ہو گیا لیکن اپنی فوج کی ہمت بہ دستور بندھاتا رہا۔ ابنِ زبیرؓ کے آنے سے پہلے لڑائی کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا انھوں نے آتے ہی صبح سے دوپہر تک کا وقت رزم آرائی کے لیے مقرر کیا۔ چناں چہ لڑائی اسی ڈھنگ سے ہونے لگی۔ ابنِ زبیرؓ کے مشورہ پر سپہ سالار عبد اللہ بن سعدؓ نے بھی اعلان کر دیا کہ جو شخص جرجیر کا سر کاٹ کر لائے گا اسے ایک لاکھ نقد انعام دیا جائے گا اور جرجیر کی بیٹی بھی اس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی۔ یہ اعلان کرنے کے بعد وہ خود بھی لڑائی میں سرگرمی سے حصہ لینے لگے لیکن پھر بھی لڑائی کسی فیصلہ کن مرحلے میں داخل نہ ہوئی۔ ایک دن ابنِ زبیرؓ نے اپنے سپہ سالار سے کہا کہ لڑائی کا اس طرح فیصلہ نہ ہوگا

کیوں کہ ہم اپنے مرکز سے بہت دُور ہیں جب کہ جرجیر اپنے ملک کے اندر ہے اور اس کو ہر طرح کی مدد مل رہی ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ کل ہم اپنی فوج کے منتخب بہادروں کو ان کے خیموں میں چھوڑ دیں اور باقی فوج کے ساتھ عیسائیوں سے نبرد آزما ہوں۔ جب دوپہر کے بعد عیسائی فوج تھک کر لوٹنے لگے تو ہمارے تازہ دم بہادر خیموں سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑیں۔ سپہ سالار نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور دوسرے دن اسی کے مطابق عمل کیا۔ جب عیسائی فوج تھک کر پیچھے ہٹی تو ابنِ زبیرؓ اپنے تازہ دم بہادروں کو ساتھ لے کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ اتنا شدید اور ناگہانی تھا کہ جرجیر اور اس کی بیٹی کی ہزار کوششوں کے باوجود عیسائی قدم جما کر لڑ نہ سکے اور سخت افراتفری کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ جرجیر حضرت ابنِ زبیر کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کی بیٹی کو مسلمانوں نے اسیر کر لیا۔ سپہ سالار نے اپنے اعلان کے مطابق اسے ابنِ زبیرؓ کو دے دیا، انھوں نے اس لڑکی سے شادی کر لی یا اسے آزاد کر دیا؟ مستند تاریخوں سے اس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ طرابلس کی تسخیر کے بعد مسلمانوں نے افریقیہ کے دوسرے تمام مشہور شہر اور علاقے بھی یکے بعد دیگرے فتح کر لیے۔ ان تمام معرکوں میں ابنِ زبیرؓ نہایت بے جگری سے لڑے اور اپنی شجاعت کی دھاک بٹھا دی۔ ''دائرۂ معارفِ اسلامیہ'' میں الاغانی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابنِ زبیرؓ فتح و ظفر کی خبر لے کر مدینے واپس آئے اور انھوں نے اس مہم کا نقشہ نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں کھینچا۔ ۲۹-۳۰ھ میں حضرت سعید بن العاصؓ نے طبرستان (شمالی ایران) پر لشکر کشی کی تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور متعدد معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ طبرستان کی فتح کے بعد واپس آئے تو حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے انھیں اُس مجلس کا رکن مقرر کیا جو انھوں نے تحریر مصاحف (قرآنِ کریم کی نقل) کے لیے قائم کی۔ اس مجلس کے دوسرے ارکان حضرت زید بن ثابت انصاریؓ، حضرت سعید بن عاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ تھے۔ حضرت ابنِ زبیرؓ کی عمر اس وقت صرف تیس برس کی تھی لیکن اس مقدس اور اہم کام کے لیے ان کا انتخاب اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس وقت علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند مقام پر فائز ہو چکے تھے۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف شورش نے زور پکڑا اور ۳۵ھ میں مفسدہ پردازوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ان سرفروشوں میں شامل تھے جو

باغیوں سے لڑنا چاہتے تھے۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ وہ اجازت دیں تو وہ اپنی جمعیت کے ساتھ باغیوں سے نبرد آزما ہوں لیکن کریم النفس امیر المؤمنینؓ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی بھی میری خاطر خون نہ بہائے اور نہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے۔ اس پر حضرت ابنِ زبیرؓ خاموش ہو گئے تاہم وہ بعض دوسرے جوانانِ قریش کی معیت میں دروازے کے باہر کھڑے ہو کر پہرہ دیتے رہے۔ محاصرے کے چالیسویں دن باغی صدر دروازہ چھوڑ کر پچھلی طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس گئے اور ضعیف العمر امیر المؤمنینؓ کو، جب وہ تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے، نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسند نشینِ خلافت ہوئے تو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے قصاصِ عثمانؓ یا اصلاح کا علم بلند کیا۔ اسی سلسلہ میں ۳۶ھ میں جمل کی افسوس ناک لڑائی پیش آئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ امّ المؤمنینؓ کی پیدل فوج کے افسر تھے۔ وہ اس بے جگری سے لڑے کہ سارا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ اختتامِ جنگ پر شمار کیا گیا تو ان کے بدن پر نیزوں اور تلواروں کے چالیس سے زیادہ زخم پائے گئے۔ لڑائی کے آغاز سے پہلے حضرت عبداللہؓ سایۂ پدری سے بھی محروم ہو گئے۔ والدِ گرامی حضرت زبیرؓ میدانِ جنگ سے کنارہ کش ہو کر واپس جا رہے تھے کہ ایک بد باطن شخص عمرو بن جرموز نے انھیں عین اس وقت شہید کر دیا جب وہ نماز پڑھتے ہوئے سر بہ سجدہ تھے۔ لڑائی میں حضرت علیؓ غالب آئے تو حضرت عبداللہؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور صفین کی خانہ جنگی میں مطلق کوئی حصہ نہ لیا سوا اس کے کہ دومۃ الجندل کے محاکے میں موجود تھے جس کا مقصد فریقین میں صلح کی راہ ہموار کرنا تھا۔

(۴)

رمضان ۴۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی اور سیدنا حضرت حسنؓ سریر آرائے خلافت ہوئے لیکن حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ چند ماہ بعد وہ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اس طرح ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ تمام عالمِ اسلام کے بلا شرکتِ غیرے فرماں روا بن گئے۔ حضرت ابنِ زبیرؓ نے ان کے عہدِ خلافت کا بیشتر حصہ گوشہ نشینی میں گزارا اور ملکی سیاست میں کسی قسم کا حصہ نہ لیا۔ کسی جھگڑے میں پڑنے کی بہ جائے انھوں نے

امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ والد محترم کے ترکہ سے ان کے حصے میں کافی جائداد آئی تھی اور پھر تجارت بھی کرتے تھے اس لیے فکرِ معاش کی طرف سے بے نیاز تھے۔ ۴۹-۵۰ھ (یا بہ روایتِ دیگر ۵۱-۵۲ء) میں امیر معاویہؓ نے ایک لشکر قسطنطنیہ کی تسخیر کے لیے روانہ کیا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر اس لشکر میں شریک ہو گئے۔ بعض روایتوں کے مطابق یہ وہی لشکر تھا جس کے بارے میں سرورِ عالم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ:

''میری اُمت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر جہاد کرے گا، اللہ نے اس کو بخش دیا ہے۔''

اس مہم سے واپسی کے بعد انھوں نے حسبِ سابق گوشۂ عزلت اختیار کر لیا تا آں کہ امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں یزید کو ولی عہد نامزد کیا اور لوگوں کو یہ نامزدگی تسلیم کرنے کی دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسین بن علیؓ نے یزید کی ولی عہدی کی پُر زور مخالفت کی۔ امیر معاویہؓ ان کو اس بات پر رضا مند کرنے کے لیے بہ نفسِ نفیس دمشق سے مکہ معظّمہ آئے جہاں یہ اصحاب مدینہ منوّرہ سے آ کر مقیم ہو گئے تھے (ایک اور روایت کے مطابق امیر معاویہؓ سے ان اصحاب کی گفتگو مدینہ منوّرہ ہی میں ہوئی)۔ امیر معاویہؓ نے ان چاروں کو بلا بھیجا۔ سب نے گفتگو کے لیے اپنا نمائندہ حضرت ابنِ زبیرؓ کو بنایا۔ حضرت معاویہؓ اور ابنِ زبیرؓ کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

امیر معاویہؓ: تم سب میرے عزیز ہو اور تمھیں بہ خوبی علم ہے کہ میں نے ہمیشہ تمھارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔ یزید تمھارا بھائی اور ابنِ عم ہے۔ (مسلمانوں کو انتشار اور خوں ریزی سے بچانے کے لیے) میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اسے خلافت کے لیے نامزد کر دو۔ لیکن حکومت کے تمام اختیارات تم اپنے ہاتھ میں رکھو وہ تم سے کوئی تعرّض نہ کرے گا۔

عبداللہ بن زبیرؓ: اے امیر ہم تین صورتیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک آپ اختیار کر لیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرح کسی کو نامزد نہ کیجیے۔ امت آپ کے بعد خود ہی خلیفہ منتخب کر لے گی، دوسرا طریقہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہے اپنا جانشین اس شخص کو مقرر

کیجیے جو نہ آپ کا رشتہ دار ہو اور نہ آپ کے قبیلے سے ہو۔ تیسری صورت حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل ہے کہ چند اشخاص کو نامزد کر دیجیے جو آپ کے بعد خلیفہ کا انتخاب اپنے میں سے کر لیں۔

امیر معاویہؓ: رسول اللہ ﷺ کے بعد ایسے لوگ موجود تھے جن پر اُمت اتفاق کر سکتی تھی اور اس نے ابوبکر صدیقؓ پر اتفاق کر لیا لیکن اب وہ بات کہاں؟ اب تو اختلاف کے اور بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی نگاہ حضرت عمرؓ پر پڑ سکتی تھی لیکن میرے بعد (بنو امیہ سے باہر) ایسا کون ہے جس کو میں کامل اعتماد کے ساتھ نامزد کر سکوں۔ تیسری صورت پر بھی موجودہ حالات میں عمل کرنا ممکن نہیں۔ کیا ان کے علاوہ کوئی اور طریقہ بھی ہے؟

عبداللہ بن زبیرؓ: نہیں۔

اس گفتگو کے بعد امیر معاویہؓ نے ان بزرگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا یا ان سے جبراً یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے لی؟ اس کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بہرصورت امیر معاویہؓ کے دل میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے کھٹک پیدا ہوگئی۔ چناں چہ رجب ۶۰ ہجری میں اپنی وفات سے پہلے انھوں نے یزید کے لیے جو وصیت چھوڑی اس میں منجملہ دوسری نصیحتوں کے ایک یہ بھی تھی کہ:

''خلافت کے معاملے میں تجھے قریش کے تین آدمیوں سے خطرہ رہے گا۔ حسین بن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ[1] حسینؓ کو ایک نہ ایک دن اہلِ عراق ضرور تمھارے مقابلہ پر لائیں گے۔ ان پر قابو پالو تو درگزر سے کام لینا۔ وہ ہمارے قرابت دار ہیں، رسول اللہ ﷺ کے نواسے ہیں اور ان کا ہم پر حق ہے۔
عبداللہ بن عمرؓ خلافت کے جنجال میں پڑنا پسند نہیں کریں گے اور اپنی عبادت سے کام رکھیں گے۔ جب دوسرے لوگ تمھاری بیعت کر لیں گے تو وہ بھی اس معاملہ میں ان کا ساتھ دیں گے البتہ جس شخص سے تمھیں حقیقی خطرہ ہے وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے۔ یہ شخص لومڑی کی چال چل کر شیر کی طرح تم پر حملہ آور ہوگا۔ اس پر قابو پالو تو کبھی زندہ نہ چھوڑنا۔ ہاں اگر وہ صلح کر لے تو قوم کو خوں ریزی سے بچانے کے لیے تم بھی صلح سے انکار نہ کرنا۔''

---

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اس وقت وفات پا چکے تھے۔

۵

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید تختِ حکومت پر بیٹھا تو اہلِ شام نے فوراً اس کی بیعت کر لی۔ حجاز کے اکثر لوگوں سے امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی ہی میں بیعت لے لی تھی۔ جن لوگوں نے بیعت نہیں کی تھی ان میں سیدنا حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ دو ایسی شخصیتیں تھیں جنھیں یزید کسی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے ولید بن عتبہ حاکمِ مدینہ کو تاکیدی حکم بھیجا کہ ان دونوں بزرگوں سے میری بیعت لو۔ ولید نے ان دونوں کو بُلا بھیجا۔ حضرت حسینؓ اس کی طلبی پر چلے آئے لیکن بیعت سے انکار کر دیا۔ ابنِ زبیرؓ نے ایک دن کی مہلت مانگ لی اور راتوں رات اہل وعیال سمیت مدینہ منوّرہ سے نکل کر مکہ معظّمہ آ گئے۔ اہلِ مکہ نے ابنِ زبیرؓ کو ہاتھوں ہاتھ لیا کیوں کہ وہ ان کے زہد و اتّقا اور دوسرے اوصاف و محاسن کی بنا پر ان کے مداح تھے۔ اسی دوران میں حضرت حسینؓ بھی اہل وعیال سمیت کوفہ کے قصد سے مدینہ سے مکہ تشریف لے آئے۔ حضرت ابنِ زبیرؓ کو سیدنا حسینؓ کے عزمِ کوفہ کا علم ہوا تو وہ ان کے پاس آئے اور کہا:

''بہتر یہ ہے کہ آپ یہیں حرم میں مقیم رہیں۔ یہیں سے سارے شہروں کی طرف اپنے قاصد دوڑا دیں۔ اور اپنے عراقی حامیوں سے کہیں کہ وہ یہیں آپ کے پاس پہنچ جائیں۔ پھر جب آپ کے ہاتھ مضبوط ہو جائیں، تو یزید کے عمّال کو یہاں سے نکال باہر کریں۔ میں بھی آپ کا ساتھ دوں گا، یہ میرا فرض ہے۔ میں تو آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ خلافت کا مطالبہ یہیں حرم میں رہ کر کریں اس لیے کہ تمام دنیا کے لوگ یہیں جمع ہوتے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو آپ اپنے مقصد میں ناکام نہ رہیں گے۔''

حضرت حسینؓ کوفہ جانے کا پختہ عزم کر چکے تھے اس لیے انھوں نے ابنِ زبیرؓ کا مشورہ قبول نہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے حضرت ابنِ زبیرؓ کو یہ جواب دیا کہ:

''میں نے اپنے والد سے یہ حدیث سنی ہے کہ حرم کا ایک مینڈھا ہے جس کی وجہ سے اس کی حُرمت اٹھ جائے گی، میں نہیں چاہتا کہ یہاں رہ کر وہ مینڈھا بنوں۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعض دوسرے بہی خواہوں نے بھی سیّدنا حسینؓ کو کوفہ نہ جانے کا مشورہ دیا لیکن انھوں نے کسی کا مشورہ قبول نہ کیا اور اہل وعیال سمیت عازمِ کوفہ ہو گئے۔

۱۰ رمحرم ۶۱ ہجری کو کربلا کا دل دوز سانحہ پیش آیا اور سیّدنا حسینؓ اپنے متعدد عزیزوں اور ساتھیوں سمیت میدانِ کربلا میں یزیدی فوج کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ اس حادثۂ فاجعہ کی خبر حضرت ابنِ زبیرؓ کو ہوئی تو انھیں سخت صدمہ پہنچا۔ انھوں نے تمام اہلِ مکہ کو مسجدِ حرام میں بُلایا اور ان کے سامنے ایک رقّت انگیز تقریر کی جس میں فرمایا:

''لوگو! اہلِ عراق سے بدتر مخلوق روئے زمین پر نہیں ہے اور عراقیوں میں بدترین کوفہ کے لوگ ہیں۔ انھوں نے بار بار خطوط بھیج کر حسینؓ کو اس لیے بُلایا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے لیکن جب حسینؓ ان کی سرحد میں پہنچے تو ان لوگوں نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا بلکہ اکثر نے بنو امیہ کی حمایت کی۔ یزیدی فوج نے مظلوم حسین کو گھیر لیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ یزید کی بیعت کرو اور اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالے کر دو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ واللہ حسینؓ اس بات سے آگاہ تھے کہ وہ بے سرو سامان ہیں لیکن انھوں نے ذلت کی زندگی کو ٹھکرا دیا اور عزت کی موت قبول کی۔ خدا حسینؓ کے قاتلوں کو ذلیل کرے لیکن مشیّتِ ایزدی کے سامنے چارہ نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا حسینؓ کی شہادت کے بعد ہم ان بدکردار لوگوں کے قول و فعل پر بھروسا کر سکتے ہیں؟''

سارے مجمع نے بیک آواز کہا — ''ہرگز نہیں۔''

حضرت ابنِ زبیرؓ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! خدا کی قسم ان ظالموں نے اس عظیم المرتبت شخص کو قتل کیا جو دن کو روزے رکھتا تھا اور رات کو عبادت کرتا تھا، جو قرآن خواں اور پاک باز تھا۔ جو ہر لحاظ سے ان سے بڑھ کر خلافت کا مستحق تھا۔ واللہ حسینؓ روزے کے مقابلے میں بادہ خواری، خوفِ خدا سے رونے کے مقابلے میں رقص و سرود، قرآن کی ہدایت کے مقابلے میں گم راہی اور ذکرِ حق کے مقابلے میں شکاری کتوں کے ذکر کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ خدا ان دھوکے باز قاتلوں کو سخت سزا دے گا۔''

ابنِ زبیرؓ تقریر ختم کر کے رو پڑے اور مجمع بھی اشک بار ہو گیا۔ پھر سب لوگ ابنِ زبیرؓ کے گرد جمع ہو گئے اور کہا ''واللہ حسینؓ کے بعد آپ سے بڑھ کر کوئی مستحقِ خلافت نہیں، حسینؓ کے قاتلوں سے ہم بے زاری کا اظہار کرتے ہیں آپ ہاتھ بڑھائیے ہم آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتے ہیں۔''

لوگوں کے اصرار پر حضرت ابنِ زبیرؓ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور ابنِ عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ کے سوا تمام اہلِ مکّہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

یزید کو ان حالات کا علم ہوا تو وہ سخت غضب ناک ہوا اور حاکمِ مدینہ کو حکم بھیجا کہ ابنِ زبیرؓ کو گرفتار کر کے دمشق بھیجو۔ یہ حکم ملنے پر حاکمِ مدینہ نے ایک چھوٹی سی فوج ابنِ زبیرؓ کی گرفتاری کے لیے بھیجی۔ اس فوجی دستے کی قیادت حضرت عبداللہؓ کا ایک بھائی عمرو بن زبیرؓ کر رہا تھا، ایک اور روایت کے مطابق عمرو بن زبیرؓ ایک سفارت لے کر عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ امیر المؤمنین یزید بن معاویہؓ آپ کو عزت و احترام کے ساتھ دمشق بلاتے ہیں۔ اس سفارت کا اصل مقصد یہ تھا کہ اگر ابنِ زبیرؓ اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو جائیں تو انھیں گرفتار کر لیا جائے۔ بہرصورت حضرت عبداللہؓ نے یزیدی فوج کو شکست دے کر یا اپنے خلاف سازش کرنے کے جرم میں عمرو بن زبیرؓ کو گرفتار کر لیا اور چند دن بعد مروا دیا۔ اس کے بعد ابنِ زبیرؓ نے کھلم کھلا یزید کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ اہلِ مدینہ نے بھی ان کی مثال کی پیروی کی اور انھوں نے یزید کی خلافت سے انکار کر کے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کو اپنا مقامی امیر منتخب کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ فسخِ بیعت سے پہلے اہلِ مدینہ کا ایک وفد دمشق گیا وہاں اس کی بہت آؤ بھگت ہوئی لیکن اس وفد نے واپس آ کر اہلِ مدینہ کے سامنے یزید کے مشاغل کی ایسی مکروہ تصویر کھینچی کہ وہ اس سے منحرف ہو گئے۔ یزید نے اس صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے مسلم بن عقبہ مرّی کی سرکردگی میں ایک شامی فوج حجاز روانہ کی۔ جب یہ فوج مدینہ پہنچی تو اہلِ مدینہ نے اس کا پُر زور مقابلہ کیا مگر مسلم بن عقبہ کی جنگی مہارت سے مات کھا گئے۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ نے سینکڑوں اہلِ مدینہ سمیت مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی ان میں بیسیوں اصحابِ رسولؐ بھی شامل تھے۔ شامی فوج نے تین دن تک مدینہ منوّرہ میں قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ اس کے بعد وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو مطیع کرنے کے لیے مکّہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئی۔ اثنائے راہ میں مسلم بن عقبہ نے وفات پائی اور اس کی جگہ حصین بن نمیر شامی فوج کا سپہ سالار بنا۔ وہ مکہ کے قریب پہنچا تو ابنِ زبیرؓ نے شہر سے باہر نکل کر شامی فوج کا پُر زور مقابلہ کیا لیکن شامیوں کے زبردست دباؤ کی وجہ سے انھوں

نے محصور ہو کر مدافعت کا فیصلہ کیا۔ حصین بن نمیر نے جبل بوقبیس پر منجنیق نصب کر کے خانۂ کعبہ پر آتش باری اور سنگِ باری شروع کر دی۔ اس سے کعبہ کی عمارت کو بہت نقصان پہنچا تاہم حضرت ابنِ زبیرؓ نہایت پامردی سے مقابلہ کرتے رہے۔ انھوں نے مسجدِ حرام میں خیمہ نصب کر رکھا تھا نہ آتش باری کی پروا تھی نہ سنگ باری کی۔ خیمے سے نکل کر نہایت سکون سے حرم کے اندر نماز میں مشغول رہتے تھے۔ خود حصین بن نمیر کا بیان ہے کہ جب میں نے مکہ کا محاصرہ کر رکھا تھا، ابنِ زبیرؓ اپنے خیمے سے اس طرح نکلتے تھے، جس طرح جھاڑی سے شیر نکلتا ہے۔

اثنائے محاصرہ میں خوارج کی ایک جماعت نافع بن ارزق اور نجدہ بن عامر کی سرکردگی میں مکہ آئی۔ یہ لوگ یزید کے مخالف تو تھے ہی لیکن ابنِ زبیرؓ کے حامی بھی نہیں تھے تاہم وہ انہیں یزید سے بہتر سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ابنِ زبیرؓ ان کی ہمنوائی کریں تو وہ یزیدی لشکر کے مقابلے میں اس نازک وقت میں ان کی مدد کریں گے۔ نافع اور نجدہ ابنِ زبیرؓ سے ملے اور ان کو پیش کش کی کہ اگر آپ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور اپنے والد حضرت زبیرؓ سے بےزاری کا اظہار کریں اور ان کی مذمّت کریں تو ہماری سرفروش جماعت آپ کی حمایت میں شامی لشکر سے لڑنے کے لیے تیار ہے۔ حضرت ابنِ زبیرؓ نے ان بزرگوں کی مذمّت کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ان کے تمام دلائل کا دنداں شکن جواب دے کر آخر میں فرمایا:

''بلاشبہ اس وقت تمھاری امداد ہمارے لیے بڑی قدر و منزلت رکھتی ہے لیکن مجھے نہ حکومت کی آرزو ہے اور نہ فتح و شکست کا خیال۔ میں تو حق و صداقت کے لیے لڑ رہا ہوں۔ اگر میرے ساتھ مل کر شامیوں کا مقابلہ کرو گے تو اللہ تمھیں اس کا اجر دے گا اور اگر تم میری مدد نہ کرو گے تو مجھے اللہ کافی ہے۔ مجھے تو اس کی بھی پروا نہیں کہ تم میرے دشمنوں سے جا ملو۔''

ان کا جواب سن کر خوارج مایوس ہو گئے اور واپس چلے گئے۔

مکہ کا محاصرہ ابھی جاری تھا کہ ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید نے وفات پائی۔ اس کی وفات کی خبر مکہ پہنچی تو حصین بن نمیر نے محاصرہ اٹھا لیا۔ ایک روایت کے مطابق محاصرہ ختم ہونے کے بعد حصین بن نمیر کی درخواست پر حضرت ابنِ زبیرؓ نے حرم کے دروازے کھول دیئے اور شامی بلا روک ٹوک طواف کرنے لگے۔ اسی دوران میں حصین اور ابنِ زبیرؓ کی ملاقات ہو گئی۔ دوسری

روایت یہ ہے کہ کوچ سے پہلے حصین نے حضرت ابنِ زبیرؓ کو پیغام بھیجا کہ میں رات کو بطح کے مقام پر آپ سے تخلیہ میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ دس آدمی میرے ساتھ ہوں گے اور دس آپ اپنے ساتھ لے آئیں۔ جتنی دیر تک ہم گفتگو کریں گے یہ آدمی الگ بیٹھے رہیں گے۔ بہر صورت دونوں کی ملاقات ہوئی تو حصین نے ابنِ زبیرؓ سے کہا، یزید فوت ہو چکا اب میری نظر میں آپ سے بڑھ کر خلافت کا کوئی حق دار نہیں، میں اور میرے ساتھی آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ شام چلیں، میں تمام اہلِ شام کو آپ کی بیعت پر آمادہ کروں گا، اہلِ حجاز پہلے ہی آپ کے ساتھ ہیں۔ اہلِ شام کی بیعت کے بعد تمام عالمِ اسلام آپ کو خلیفہ تسلیم کر لے گا۔ اب تک ہمارے درمیان جو خوں ریزی ہوئی، اسے آپ معاف کر دیں۔

ابنِ زبیرؓ نے حصین بن نمیر کی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور بآوازِ بلند بولے:

"اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ کا خون معاف کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔ واللہ جب تک ایک ایک حجازی کے قصاص میں دس دس شامیوں کے سر قلم نہ کرا لوں گا، تم سے مفاہمت نہ کروں گا۔"

حصین نے مایوس ہو کر کہا۔ "میرا خیال تھا کہ آپ مدبّرینِ عرب میں سے ہیں لیکن اب معلوم ہوا کہ میں غلطی پر تھا، میں آپ کو خلافت کی طرف بلاتا ہوں اور آپ مجھے جنگ کی دھمکی دیتے ہیں، میں آہستہ بولتا ہوں اور آپ بآوازِ بلند بات کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر حصین اپنے لشکر میں واپس چلا گیا اور دوسرے دن شام روانہ ہو گیا۔

(۷)

محاصرہ کے دوران میں کعبہ کی عمارت کو خاصا نقصان پہنچا تھا۔ حصین کی واپسی کے بعد حضرت ابنِ زبیرؓ نے خانۂ کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے پرانی عمارت بالکل گرا دی جائے لیکن کسی کو یہ کام کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی بالآخر ابنِ زبیرؓ خود خدا کا نام لے کر دیوار پر چڑھ گئے اور ایک پتھر اکھاڑ کر گرا دیا۔ ان کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس کام میں شریک ہو گئے۔ جب ساری دیواریں گر گئیں تو بنیادوں کی کھدائی شروع ہو گئی۔ ابنِ زبیرؓ نے حطیم کا چھوٹا ہوا حصہ بھی کعبہ کی حدود میں شامل کر دیا اور نئی عمارت کی اس طرح تعمیر کی جس طرح رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے۔ انھوں نے اس کام پر دل کھول کر روپیہ صرف کیا اور

بڑی ہمت اور ایثار سے کام لیا۔ جس دن وہ اس کام سے فارغ ہوئے انھوں نے نئی عمارت کو اندرونی اور بیرونی جانب سے اوپر سے نیچے تک مشک اور عنبر سے بسوایا اور اس پر دیباج کا غلاف چڑھایا۔ شکرانہ کے طور پر انھوں نے بہت سے غلام آزاد کیے اور بہت سے اونٹ اور بکریاں ذبح کیں پھر وہ قریش کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ برہنہ پا گھر سے نکلے اور مقامِ تنعیم میں پہنچ کر عمرہ کا احرام باندھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسولِ اکرم ﷺ کی خواہش کے مطابق ابراہیمی بنیاد پر کعبہ کو تعمیر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے حجرِ اسود پر چاندی چڑھوائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آتش باری اور سنگ باری سے اس میں دراڑ پڑ گئی تھی، ابنِ زبیرؓ نے اس کو چاندی سے بندھوا دیا۔

اُدھر شام میں یزید کی موت کے بعد اس کا بیٹا معاویہ تخت نشین ہوا۔ وہ ایک دیندار اور نرم مزاج آدمی تھا اور حکومت کے جھمیلے میں پڑنا پسند نہیں کرتا تھا اس لیے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خلافت سے دست بردار ہوگیا۔ اب سارے حجاز، عراق، مصر اور جنوبی عرب نے ابنِ زبیرؓ کی خلافت تسلیم کر لی یہاں تک کہ شام میں موجود مخالفینِ بنواُمیّہ نے بھی ان کو خلیفہ مان لیا۔ اس زمانہ میں ابنِ زبیرؓ سے ایک سیاسی غلطی ہوگئی۔ انھوں نے مدینہ منوّرہ سے بنواُمیّہ کے عمال کو نکالا تو ساتھ ہی بنواُمیّہ کے دوسرے عمائد کو بھی جبراً وہاں سے نکال دیا، ان میں مروان بن الحکم اور اس کا بیٹا عبدالملک بھی شامل تھے۔ یہ لوگ دمشق پہنچے تو وہاں بدنظمی کی کیفیت تھی۔ بالآخر بنوامیّہ کے تمام بااثر حامیوں نے جابیہ میں جمع ہوکر مروان کو خلیفہ منتخب کرلیا۔ مروان تیرہ ہزار اموی جنگجوؤں کے ساتھ ''مرجِ راہط'' کی طرف بڑھا جہاں ضحاک بن قیسؓ کی قیادت میں ابنِ زبیرؓ کی حامی فوج خیمہ زن تھی۔ دونوں فوجوں میں خوں ریز لڑائی ہوئی جس میں اموی فوج کا پلّہ بھاری رہا۔ اس طرح پورے شام پر بنوامیّہ کا تسلّط بحال ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی مروان نے عمرو بن سعید بن عاص کی سرکردگی میں ایک فوج مصر بھیج دی۔ ابنِ زبیرؓ کے عاملِ مصر عبدالرحمٰن بن حجدم تابِ مقاومت نہ لا سکے اور مصر عمرو بن سعید کے حوالے کردیا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ حجاز اور عراق پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا قبضہ تھا اور شام و مصر پر مروان کی حکومت تھی۔ مروان کو زیادہ مدت تک حکومت کرنا نصیب نہ ہوا اور وہ رمضان ۶۵ھ میں فوت ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک مسندِ حکومت پر بیٹھا۔

⑧

اسی زمانہ میں معرکۂ جسر (۱۳ھ) کے شہید سپہ سالار ابوعبید ثقفیؓ کے بیٹے مختار ثقفی نے عراق پر قبضہ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے۔ اس نے ''قصاصِ حسینؓ'' کا علم بلند کیا اور کوفہ کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا۔ عراق میں موجود بنوامیّہ کے تمام مخالفین اس کے ساتھ مل گئے اور انھوں نے ابنِ زبیرؓ کی طرف سے کوفہ کے حاکم عبداللہ بن مطیع کو بزور وہاں سے نکال دیا۔ اس طرح کوفہ اور اس کے ساتھ ہی سارے عراق پر (سوائے بصرہ کے) مختار بن ابی عبید کا قبضہ ہوگیا۔ اب اس نے شمشیرِ انتقام بے نیام کی اور ان تمام لوگوں کو چن چن کر قتل کیا جنھوں نے واقعۂ کربلا میں حصہ لیا تھا یا بنوامیّہ کی مدد کی تھی۔ ان میں شمر ذی الجوشن، حرملہ بن کامل، خولی بن یزید، عمر بن سعد، زیاد بن مالک، عبداللہ بن قیس اور عثمان بن خالد جیسے بیسیوں لوگ شامل تھے۔ اس کے بعد اس نے ایک لشکر ابراہیم بن مالک اشتر کی سرکردگی میں عبیداللہ بن زیادہ کی سرکوبی کے لیے موصل کی طرف روانہ کیا۔ ارل اور موصل کے درمیان نہر خازر کے کنارے اس لشکر کی مڈبھیر ابنِ زیاد کے لشکر سے ہوئی۔ ابراہیم بن مالک اشتر نے ابنِ زیاد کو بری طرح شکست دی اور اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

اگر مختار اپنی تحریک کو صرف قاتلانِ حسینؓ سے انتقام لینے تک محدود رکھتا تو کچھ اور بات تھی لیکن اس نے بیک وقت ابنِ زبیرؓ اور بنوامیّہ دونوں کے اقتدار کے خلاف مسلّح جدوجہد شروع کر دی اور اپنے بعض فاسد خیالات وعقائد بھی لوگوں میں پھیلانے شروع کر دیئے۔ جہاں تک بنوامیّہ کا تعلق ہے، ابنِ زیاد کو شکست دینے کے بعد مختار کی ان سے براہِ راست کوئی ٹکّر نہ ہوئی البتہ ابنِ زبیرؓ سے اس کی کش مکش میں شدت پیدا ہوگئی۔ اُدھر ابنِ زبیرؓ کو شبہ ہوا کہ مختار کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ کی سرپرستی یا حمایت حاصل ہے، انھوں نے از راہِ احتیاط ان دونوں بزرگوں کو نظر بند کر دیا۔ مختار کو خبر ہوئی تو اس نے ایک فوج مکہ بھیج کر ان کو نظر بندی سے رہائی دلائی اور وہ دونوں وہاں سے طائف چلے گئے۔ مختار اپنے خروج کے اٹھارہ ماہ بعد تک عجمیوں کے بل پر بنوامیّہ اور ابنِ زبیرؓ کا کامیاب مقابلہ کرتا رہا۔ اس دوران میں اس نے کوفہ کے عربوں پر اس قدر سختی کی کہ وہ اس کے خلاف ہوگئے اور ان کے بہت سے اشراف کوفہ کی

سکونت ترک کر کے بصرہ چلے گئے جہاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے چھوٹے بھائی مصعب بن زبیرؓ حاکم تھے۔ ان لوگوں نے مصعب کو کوفہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ مصعب نے اپنے دَور کے نامور جرنیل مہلّب بن ابی صفرہ کو بصرہ بلا بھیجا۔ اس وقت وہ خوارج سے برسرِ پیکار تھے اور ابنِ زبیرؓ کی طرف سے فارس کے گورنر تھے۔ انھوں نے خوارج سے ایک معینہ مدّت کے لیے صلح کر لی اور ایک طاقتور لشکر لے کر بصرہ پہنچ گئے۔

اب مصعب بن زبیرؓ پوری طرح تیار ہو کر کوفہ کی طرف بڑھے، مختار نے بھی مقابلہ کے لیے زبردست تیاری کر رکھی تھی۔ فریقین کی فوجوں میں دو تین خوں ریز معرکے ہوئے جن میں مختار نے شکست کھائی اور بالآخر کوفہ کے دارالامارۃ میں محصور ہو کر بیٹھ گیا۔ مصعب نے محاصرہ میں اس قدر سختی برتی کہ چالیس دن کے بعد اسے باہر آنا پڑا۔ اس وقت اس کے ساتھ صرف انیس آدمی تھے۔ یہ سب مختار سمیت مصعب کی فوج سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ اس طرح ابنِ زبیرؓ کے ایک بڑے دشمن کا خاتمہ ہو گیا اور عراق پر ان کا اقتدار بہ حال ہو گیا۔

(۹)

مختار کی زندگی میں ابنِ زبیرؓ اور بنو امیہ دونوں اس کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتے رہے۔ اس کے قتل کے بعد عبدالملک اور ابنِ زبیرؓ ایک دوسرے کے سامنے آ گئے اور دونوں میں کش مکش کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے عبدالملک ایک مضبوط فوج کے ساتھ قرقیسیا کی طرف بڑھا جہاں حضرت ابنِ زبیرؓ کی طرف سے زفر بن حارث والی تھے۔ زفر نے عبدالملک کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا لیکن بالآخر انھوں نے عبدالملک سے صلح کر لی اور اپنی لڑکی کا نکاح اس کے بیٹے مسیلمہ سے کر دیا۔ اب عبدالملک نے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ عراق کا رُخ کیا۔ اس کے عراق پہنچنے سے پہلے مصعب بن زبیرؓ مہلّب بن ابی صفرہ کو فارس اور عبداللہ بن حازم کو خراسان بھیج چکے تھے۔ اس طرح ان کے پاس عبدالملک کے مقابلے میں بہت کم فوج رہ گئی تھی تاہم انھوں نے ہمت نہ ہاری اور ''دیر جاثلیق'' کے مقام پر اموی لشکر کا پُرزور مقابلہ کیا۔ عبدالملک نے مصعب کو امان کی پیش کش کی لیکن انھوں نے اسے قبول نہ کیا اور نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں کام آئے۔ مصعب کے قتل کے بعد عراق پر عبدالملک کا تسلّط قائم ہو گیا۔ اب

اس نے مکہ معظّمہ پر فوج کشی کی تیاری شروع کردی۔ ''مستدرکِ حاکم'' میں ہے کہ ایک دن اس نے تمام عمائد بنی اُمیّہ اور اپنے دوسرے ہواخواہوں کو جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر کہا:

''تم میں سے کون ابنِ زبیر کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھاتا ہے؟''

عبدالملک کے سوال پر حجاج بن یوسف ثقفی نے اٹھ کر کہا:

''امیر المؤمنین یہ کام میرے سپرد کیجیے۔''

عبدالملک نے تین مرتبہ اپنا سوال دہرایا اور تینوں مرتبہ حجاج ہی نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا اور کہا، میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک ڈھال میں نے چھین کر لگالی ہے۔

آخر عبدالملک نے یہ مہم حجاج کے سپرد کی اور اسے حکم دیا کہ فی الحال اہلِ مدینہ سے کوئی تعرّض نہ کرنا اور سیدھے طائف پہنچ کر قیام کرنا وہاں سے چھوٹے چھوٹے دستے مکہ معظّمہ پر حملہ کے لیے روانہ کرتے رہنا تاکہ ابنِ زبیرؓ کی طاقت خوب کمزور ہو جائے۔ اس کے بعد اگر مزید فوج کی ضرورت ہوئی تو مجھے لکھنا۔

حجاج نے ان احکام پر عمل کرنے کا عہد کیا اور تین ہزار سواروں کے ساتھ طائف پہنچ کر قیام کیا۔ ابنِ زبیرؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو انھوں نے بھی مکہ کی حفاظت کے انتظامات کر لیے۔ حجاج کے سوار وقتاً فوقتاً مکہ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے لیکن ابنِ زبیرؓ کے آدمی ان کو بھگا دیتے۔ جب کئی مہینے اسی طرح گزر گئے تو حجاج نے عبدالملک سے مدد طلب کی اور ساتھ ہی مکہ کا محاصرہ کرنے کی اجازت مانگی۔ عبدالملک نے فوراً پانچ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ایک فوج حجاج کی مدد کے لیے روانہ کردی، اور اسے مکہ کی طرف بڑھنے کی اجازت دے دی۔ حجاج نے کمک پہنچتے ہی آگے بڑھ کر مکہ کا محاصرہ کرلیا اور کوہ بوقبیس پر منجنیقیں لگا کر شہر اور بیت اللہ الحرام پر پتھر اور آگ کے گولے برسانے شروع کردیئے۔ یہ محاصرہ یکم ذی قعدہ ۷۲ ہجری (۲۵/مارچ ۶۹۲ء) کو شروع ہوا اور سات ماہ سے بھی کچھ زائد مدت تک جاری رہا۔ اس دوران میں شہر اور بیت اللہ شریف برابر سنگ باری اور آتش باری کی زد میں رہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بڑے استقلال اور عزم و ہمت کے ساتھ اس محاصرے کا مقابلہ کیا۔ پتھروں اور آگ کی بارش میں بھی وہ نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ خانۂ کعبہ میں نماز پڑھتے تھے لیکن غضب یہ ہوا کہ شہر میں خوراک کی شدید قلت پیدا ہوگئی اور ابنِ زبیرؓ کے ساتھی

محاصرے کی سختی اور بھوک کی تکلیف سے عاجز آ کر ان کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ دس ہزار آدمی ابن زبیرؓ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کی پناہ میں چلے گئے۔ ان میں ابن زبیرؓ کے دو بیٹے حمزہ اور خبیب بھی شامل تھے۔ صرف ایک بیٹے زبیر نے آخری دم تک ان کا ساتھ دیا۔

اسی زمانے میں ایک دن حضرت عبداللہؓ اپنی بوڑھی والدہ حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (اس وقت حضرت اسماءؓ کی عمر سو سال سے اوپر تھی اور ان کی بصارت زائل ہو چکی تھی) حضرت عبداللہؓ نے پوچھا:

''اماں جان آپ کا کیا حال ہے۔''

حضرت اسماءؓ: میرا حال کیا پوچھتے ہو، بینائی زائل ہو چکی ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ: اماں جان! موت میں بڑی راحت ہے۔

حضرت اسماءؓ: بیٹے میں تمھارا انجام دیکھ کر مرنا چاہتی ہوں تا کہ اگر تمھیں شہادت نصیب ہو تو اپنے ہاتھ سے تمھارا کفن دفن کروں اور اگر تم فتح پاؤ تو میرا دل ٹھنڈا ہو۔

حضرت عبداللہؓ ہنس پڑے اور چلے گئے۔ دس دن بعد وہ آخری سلام کے لیے ان کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے۔ اس وقت وہ مسجدِ حرام میں تشریف فرما تھیں۔ حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا:

> ''اماں جان! محاصرے کو سات ماہ گزر چکے ہیں۔ میرے فرزند زبیر اور گنتی کے چند آدمیوں کے سوا سب لوگ میرا ساتھ چھوڑ کر حجاج کے پاس چلے گئے ہیں۔ وہ مجھے بھی امان دینے کے لیے تیار ہے اور عبدالملک نے بھی وعدہ کیا ہے کہ جو طلب کروں گا وہ دے گا، فرمائیے ایسی حالت میں آپ کا کیا حکم ہے؟''

حضرت اسماءؓ: بیٹے، تم اپنے معاملے کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو، اگر تم حق پر ہو تو جاؤ، جس راہ میں تمھارے ساتھیوں نے جانیں دیں تم بھی اسی راہ پر چل کر جان دے دو اور اگر تم ناحق لڑے تو بہت برا کیا، مسلمانوں کا خون بہایا، ساتھیوں کی جانیں گنوائیں اور خود بھی ہلاک ہوئے۔

حضرت عبداللہؓ: اماں جان! میں حق و صداقت کے لیے لڑا اور حق و صداقت کے لیے ساتھیوں کو لڑایا۔ صرف بدلی ہوئی صورتِ حال سے آپ کو آگاہ کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

حضرت اسماءؓ: اگر تم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہو لیکن اب حامیوں کے نہ ہونے اور

حالات کی ناسازگاری کے باعث دشمنوں کے سامنے جھکنا چاہتے ہو تو یہ شریفوں اور دین داروں کا شیوہ نہیں۔

حضرت عبد اللہؓ: امّاں جان! میں موت سے نہیں ڈرتا، صرف یہ خیال ہے کہ دشمن میری موت کے بعد میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے اور انھیں سولی پر لٹکائیں گے۔

حضرت اسماءؓ: بیٹے جب بکری ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں اسے کیا پروا؟ تم اللہ پر بھروسا کر کے نکلو، موت کے خوف سے غلامی کی ذِلّت قبول نہ کرنا، خدا کی قسم عزت کی موت ذِلّت کی حکومت سے اچھی ہے اور راہِ حق میں تلواروں سے قیمہ ہونا گم راہوں کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

اپنی جلیل القدر والدہ کے یہ حوصلہ افزا کلمات سُن کر حضرت عبد اللہؓ پر رقّت طاری ہوگئی۔ انھوں نے فرطِ محبت سے ان کا سر چوم لیا اور پھر کہا:

"امّاں جان، میرا ابھی یہی ارادہ تھا کہ حق کی راہ میں مردانہ وار لڑ کر جان دوں لیکن میں چاہتا تھا کہ آپ کی رائے بھی لے لوں تاکہ میرے مرنے کے بعد آپ رنج وغم نہ کریں۔ الحمد للہ کہ میں نے آپ کو اپنے سے بڑھ کر ثابت قدم پایا۔ آپ کی باتوں نے میرے ایمان کو طاقت اور میرے ایقان کو تقویت عطا کی ہے۔ میں آج ضرور قتل ہو جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے قتل کے بعد بھی اسی طرح صبر وشکر سے کام لیں گی۔ یہ خدا میں نے کبھی برائی کو پسند نہ کیا، کسی مسلمان پر ظلم نہ کیا، نہ کوئی عہد توڑا، نہ امانت میں خیانت کی۔ اگر میرے کسی عامل نے بے جا ظلم کیا تو میں نے اس کی حوصلہ شکنی کی۔ بہ جز رضائے الٰہی کے مجھے کسی شے کی خواہش نہیں۔"

پھر انھوں نے آسمان کی جانب نگاہ کی اور کہا:

"اے اللہ میں نے یہ باتیں از راہِ فخر نہیں کیں بلکہ اپنی والدہ کے اطمینان کے لیے کہی ہیں۔"

حضرت اسماءؓ نے فرمایا، جاؤ بیٹے اللہ کی راہ میں جان دو، ان شاء اللہ میں صابر وشاکر رہوں گی۔ اب آگے آؤ تاکہ میں آخری بار تمھیں پیار کر لوں۔

حضرت عبد اللہؓ آگے بڑھے اور حضرت اسماءؓ نے انھیں گلے لگا لیا۔ ان کا ہاتھ حضرت عبد اللہؓ کی زرہ پر پڑا تو پوچھا، بیٹے یہ تمھارے جسم پر کیا ہے؟

ابنِ زبیرؓ: امّاں جان! یہ زرہ ہے تاکہ دشمن کی تلوار اور حربہ سے بچاؤ ہو۔

حضرت اسماءؓ: بیٹے! اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لیے نکلتے ہو اور ان عارضی چیزوں کا سہارا لیتے ہو۔

ابنِ زبیرؓ نے اسی وقت زرہ اتار دی اور خود بھی اتار کر پھینک دیا۔ پھر معمولی لباس پہن لیا اور سر پر سفید رومال باندھ لیا۔ والدہ کو اس سے آگاہ کیا تو انھوں نے فرمایا، اب میں خوش ہوں، جاؤ اللہ کے رستے میں لڑو اور اس کے ہاں اسی لباس میں جاؤ۔

(۱۰)

ماں سے رخصت ہو کر حضرت عبداللہؓ نے قمیص کے دامن اٹھا کر کمر سے باندھ لیے۔ دونوں آستینیں چڑھالیں اور دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑ کر رزم گاہ میں پہنچے۔ اس وقت گنتی کے چند فداکاران کے ساتھ تھے جن میں ان کا فرزند زبیر ایک پہلو میں اور ابنِ صفوان دوسرے پہلو میں تھے۔ ابنِ زبیرؓ اور ان کے ساتھی جس طرف رُخ کرتے تھے شامی فوج کائی کی طرح پھٹ جاتی تھی۔ ابنِ زبیرؓ اگرچہ بہتر برس کے تھے لیکن شجاعت اور بے خوفی میں اپنی مثال آپ تھے۔ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے دشمن کی صفوں میں دور تک گھس گئے اور پھر پلٹ کر اپنے ساتھیوں سے آملے۔ ان کے ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تو کسی نے ان سے کہا، آپ اجازت دیں تو میں کعبہ کا دروازہ کھول دوں تاکہ آپ اس میں داخل ہو جائیں اور دشمن کی زد سے محفوظ ہو جائیں۔ اس وقت ابنِ زبیرؓ کی زبان پر یہ رجزیہ شعر جاری ہو گئے:

و لست بمبتا ع الحیاۃ بسبۃ   ولا مرتق من خشیۃ الموت سلما

انا فس سھبما انہ غیر بارح   ملاقی المنایا ای حرف تیمما

''میں ذِلّت اختیار کر کے زندگی کو مول لینے والا نہیں اور موت کے ڈر سے سیڑھیوں پر چڑھنے والا نہیں۔

میں ایسے تیر کی رغبت کرتا ہوں جو جدا ہونے والا نہیں اور موت سے ملاقات کرنے والا کون سی جانب قصد کر سکتا ہے۔''

اس کے بعد وہ شیر کی طرح شامیوں پر ٹوٹ پڑے اور ظہر تک نہایت بے جگری سے لڑتے رہے۔ اس اثنا میں انھیں کئی زخم لگ چکے تھے۔ لیکن ان کی جبینِ ہمت پر شکن تک نہ آئی۔

ایک موقع پر کسی سیاہ فام شخص نے ان کو گالی دی تو آگے بڑھ کر اس پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ دوٹکڑے ہو گیا۔ آخر ایک شامی نے ایک پتھر ان کے سر پر دے مارا جس سے شدید زخم آیا اور سر اور ماتھے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ شعر جاری تھا:

فَلَسْنَا عَلَى الْاَعْقَابِ تَدْمِى كُلُوْمُنَا
وَ لٰكِنْ عَلٰى اَقْدَامِنَا تَقْطُرُ الدَّماء

''ہم وہ نہیں جن کی ایڑیوں پر پشت پھیرنے کی وجہ سے خون گرتا ہے بلکہ سینہ سپر ہونے کی وجہ سے ہمارے قدموں پر خون ٹپکتا ہے۔''

خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے بے انتہا نقاہت ہو گئی تھی۔ اسی حالت میں شامیوں نے نرغہ کر کے ان پر تلواروں کی بارش کر دی، اس طرح حواریِ رسولؐ اور ذات النطاقینؓ کا نورِ نظر اور اپنے دَور کا شجاع ترین انسان شہید ہو کر فرشِ خاک پر گر گیا۔ شامیوں نے فوراً ان کا سر کاٹ لیا۔

حجاج بن یوسف کو حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت سے آگاہ کیا گیا تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اس نے ان کا سر عبدالملک کے پاس دمشق بھجوا دیا اور لاش ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکوا دی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو وہ یہ منظر دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئے اور تین مرتبہ لاش کو خطاب کر کے یہ الفاظ کہے:

''ابوخبیب، السّلام علیکم! خدا کی قسم تم بڑے نمازی اور روزہ دار آدمی تھے۔ یہ الگ بات ہے تم نے دنیا کو اس کی حیثیت سے زیادہ وقعت دی حالاں کہ وہ اس وقعت کی اہل نہ تھی، وہ جماعت جس کے گئے گزرے فرد تم تھے بڑی ہی عالی قدر جماعت تھی۔''

شہادت کے تیسرے دن حضرت اسماءؓ مقام حجون تشریف لے گئیں جہاں ابنِ زبیرؓ کی لاش لٹکی ہوئی تھی۔ اتفاق سے اس وقت حجاج بھی وہاں موجود تھا، حضرت اسماءؓ کو بتایا گیا کہ حجاج آپ کے قریب کھڑا ہے تو انھوں نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''کیا اس سوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟''

حجاج: وہ ملحد تھا اس کی یہی سزا تھی۔

حضرت اسماءؓ: خدا کی قسم وہ ملحد نہیں تھا روزے رکھتا تھا، نمازیں پڑھتا تھا اور پرہیز گار تھا۔

حجاج: بڑی بی یہاں سے چلی جاؤ تمھاری عقل سٹھیا گئی ہے۔

حضرت اسماءؓ: میری عقل نہیں سٹھیا گئی۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بنوثقیف میں ایک کذّاب اور ایک سفّاک پیدا ہوگا۔ سو کذّاب (مختار ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور سفّاک سو وہ تو ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حجاج نے سنا کہ حضرت ابنِ عمرؓ نے ابنِ زبیرؓ کی تعریف کی ہے تو اس نے ان کی لاش کو سولی سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دیا۔ اور حضرت اسماءؓ کو بُلا بھیجا۔ انھوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حجاج برافروختہ ہوگیا اور پھر پیغام بھیجا کہ فوراً چلی آؤ ورنہ چوٹی پکڑ کر گھسٹواؤں گا۔ انھوں نے نہایت بے باکی سے جواب دیا، خدا کی قسم اس وقت تک نہ آؤں گی جب تک تو چوٹی پکڑ کر گھسٹوانہ لے گا۔ یہ جواب سُن کر حجاج خود ان کے پاس گیا اور کہا:

''سچ کہنا خدا کے دشمن کا کیا انجام ہوا۔''

حضرت اسماءؓ نے فرمایا: ''ہاں تو نے اس کی دنیا خراب کی لیکن اس نے تیری آخرت برباد کر دی۔ تو میرے بیٹے کو طنزاً ابن ذات النطاقین کہتا تھا تو خدا کی قسم میں ہی ذات النطاقین ہوں، یہ معزز لقب رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس وقت دیا تھا جب میں نے (ہجرت کے موقع) آپ کا کھانا چیونٹیوں سے بچانے کے لیے اپنے نطاق سے ڈھانکا تھا، میں نے آپؐ سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں ایک کذّاب اور ایک ظالم ہوگا، کذّاب کو تو ہم نے دیکھ لیا تھا اور ظالم تو ہے۔''

حضرت اسماءؓ کی بے باکانہ گفتگو سن کر حجاج چپکے سے لوٹ گیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ عبدالملک کو کسی ذریعے سے اطلاع ملی کہ حجاج نے ابنِ زبیرؓ کی لاش حضرت اسماءؓ کے حوالے نہیں کی تو اس نے حکم بھیجا کہ فوراً ان کی لاش حضرت اسماءؓ کے سپرد کردو۔ چناں چہ حجاج نے حضرت ابنِ زبیرؓ کی لاش ان کی غم زدہ ماں کے سپرد کر دی۔ انھوں نے اسے غسل دلا کر حجون میں سپردِ خاک کر دیا۔

علاّمہ شبلی نعمانی نے یہ واقعہ اس طرح نظم کیا ہے:

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابنِ زبیرؓ — سب نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے یکبار
ابنِ مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ — جس کی تقدیر میں مرغانِ حرم کا تھا شکار
حرمِ کعبہ میں محصور ہوئے ابنِ زبیرؓ — فوجِ بے دین نے کیا کعبۂ ملت کا حصار

دامنِ عرش ہوا جاتا تھا آلودۂ گرد — بارشِ سنگ سے اٹھتا تھا جو رہ رہ کے غُبار
تھا جو سامانِ رسد چار طرف سے مسدود — ہر گلی کوچہ بنا جاتا تھا اک کنجِ مزار
جب یہ دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا — ماں کی خدمت میں گئے ابنِ زبیرؓ آخر کار
جا کے کی عرض کہ اے اختِ حریمِ نبوی — نظر آتے نہیں اب حرمتِ دین کے آثار
آپ فرمائیے اب آپ کا ارشاد ہے کیا؟ — کہ میں ہوں آپ کا اک بندۂ فرماں بردار
صلح کرلوں کہ چلا جاؤں حرم سے باہر — یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہوجاؤں نثار
بولی وہ پردہ نشینِ حرم سرِّ عفاف — حق پہ گر تو ہے تو پھر صلح ہے مستوجبِ عار
یہ زمیں ہے وہی قربانِ گہ اسماعیلؑ — فدیۂ نفس ہے خود دینِ خلیلی کا شَعار
ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے بآداب و نیاز — آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہوں گا زنہار
پہلے ہی حملہ مین دشمن کی الٹ دیں فوجیں — جس طرف جاتے تھے یہ، ٹوٹتی جاتی تھی قطار
منجنیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم — ایک پتھر نے کیا آ کے سَر و رُخ کو فگار (۱)
خون ٹپکا جو قدم پر تو کہا از رہِ فخر — یہ ادا وہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار (۲)
اس گھرانے نے کبھی پشت پہ کھایا نہیں زخم — خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پر ہر بار
زخم کھا کھا کے لڑے جاتے تھے لیکن کب تک — آخر الامر گرے خاک پہ مجبور و نزار
لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا — اس کو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابلِ دار
لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن — ان کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار
اتفاقات سے اک دن جو ادھر جا نکلیں — دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں یکبار

ہوچکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان کی جلیل القدر والدہ حضرت اسماءؓ نے بھی وفات پائی۔

---

(۱) جمہور مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ کسی شامی کے پتھر سے زخمی ہوئے تھے منجنیق کے پتھر سے نہیں۔
(۲) حضرت عبد اللہؓ، ہاشم کے چچازاد بھائی اسد بن عبد العزیٰ کی اولاد سے تھے۔

(۱۱)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا شمار ان صحابۂ کرامؓ میں ہوتا ہے جو علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ اگر چہ ان کو فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کا زیادہ موقع نہ ملا لیکن انھوں نے حضرت زبیر بن العوامؓ (والد) حضرت اسماء بنتِ ابوبکر صدیقؓ (والدہ) حضرت ابوبکر صدیقؓ (نانا) اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (خالہ) جیسی عظیم المرتبت ہستیوں کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی اس لیے مختلف دینی علوم میں درجۂ تبحر حاصل کرلیا۔

قرآنِ حکیم جو اسلام کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے، حضرت ابنِ زبیرؓ اس کے بہت بڑے عالم اور قاری تھے۔ وہ کبھی کبھی قرآنِ حکیم کی تفسیر کیا کرتے تھے۔ چناں چہ ان سے بعض آیتوں کی تفسیر صحیح بخاری میں منقول ہے۔ قرأتِ قرآن سے ان کو خاص شغف تھا۔ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کی قرأتِ قرآن کے مداح تھے اور ان کو ''قاری للقرآن'' کہا کرتے تھے۔ ۳۰ ہجری میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے قرآنِ حکیم کی نقل کرنے کا کام جن صحابۂ کرامؓ کے سپرد کیا ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے تینتیس احادیث مروی ہیں۔ ان میں دو متفق علیہ ہیں، ۶ میں بخاری اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کی مرویات کا زیادہ حصہ خود رسول اکرم ﷺ سے ماخوذ ہے۔ حضورؐ کے علاوہ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت زید بن ثابت انصاریؓ سے بھی روایت کی ہے۔ ان کے تلامذہ میں حضرت عروہ بن زبیرؓ، طاؤسؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، ابنِ ابوملیکہ، ثابت بن اسلم بنانیؒ، محمد بن منکدرؒ، عبادؒ، ہشامؒ، ابوالشعثاؒ اور ابوالذبیانؒ کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

تفقّہ فی الدّین کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مدینہ کے فقہاءِ صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ وہ لوگوں کو فقہی مسائل بتایا کرتے تھے اور ان کو سنت پر چلنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اپنے فضل و کمال کے باوجود حضرت ابنِ زبیرؓ اپنے معاصرین سے دینی و علمی مسائل میں استفادہ کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ جس مسئلہ کا علم نہ ہوتا بلاتکلّف ان سے پوچھ لیتے تھے۔ اگر ان کی رائے وقیع معلوم ہوتی تو اسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔

''مستدرکِ حاکم'' میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو عربی کے علاوہ دوسری متعدد زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کے پاس مختلف قوموں اور نسلوں کے بہت سے غلام تھے اور ان کی زبانیں بھی مختلف تھیں۔ ابنِ زبیرؓ ان سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ بعض مؤرخین کا قول ہے کہ حضرت ابنِ زبیرؓ کو سات غیر ملکی زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔

حضرت ابنِ زبیرؓ کو خطابت میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان کے خطبے جہاں حسنِ گفتار اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہوتے تھے وہاں لہجے کی رفعت و جلالت اور آواز کی بلندی میں بھی بہت کم لوگ ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔

(۱۲)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا معدنِ اخلاق بڑے گراں مایہ جواہر سے پُر تھا۔ عبادت و ریاضت، حق گوئی و بے باکی، استقلال و استقامت، پابندیِ سنت اور شجاعت و شہامت ان کے مخصوص اوصاف تھے۔

عبادتِ الٰہی سے ان کو بے انتہا شغف تھا۔ اکثر رات بھر قیام کرتے اور دن کو روزہ رکھتے۔ شوقِ عبادت اور مسجد سے دل بستگی کی بنا پر وہ ''حمامۃ المسجد'' کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ نماز میں ان کے انہماک اور خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ قیام کی حالت میں بے جان ستون کا گمان ہوتا تھا، سجدہ کرتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے کپڑے کی کوئی گٹھڑی پڑی ہے۔ چڑیاں اور کبوتر ان کے سر، کندھوں اور پشت پر آ آ کر بیٹھتے تھے اور ان کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ بعض دفعہ ساری ساری رات رکوع یا سجدہ ہی میں گزار دیتے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ کئی دفعہ دوسرے لوگ پوری سورۂ بقرہ ختم کر دیتے مگر ابنِ زبیرؓ کا رکوع ختم نہ ہوتا۔ ایک دفعہ گھر کے اندر نماز ادا کر رہے تھے پاس ہی ان کا ایک چھوٹا بچہ سویا ہوا تھا۔ یکا یک مکان کی چھت سے ایک سانپ بچے پر گرا۔ گھر کے سب لوگ بچے کو بچانے کے لیے دوڑے اور گھر میں شور مچ گیا لیکن ابنِ زبیرؓ کو خبر تک نہ ہوئی اور وہ پورے سکون سے نماز میں مشغول رہے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو اس واقعہ کا علم ہوا۔

حضرت ابنِ زبیرؓ نے نازک سے نازک موقعوں پر بھی نماز میں اپنا انہماک قائم رکھا۔

معاصرۂ مکہ کے دوران میں ان کے اردگرد پتھروں کی بارش ہورہی ہوتی لیکن وہ بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ نماز میں مشغول رہتے تھے۔ ایک مرتبہ منجنیق کا ایک پتھر مسجدِ حرام کے کنگرے پر لگا اور اس کا ایک کونہ گر گیا۔ حضرت ابن زبیرؓ پاس ہی نماز پڑھ رہے تھے وہ نہ اس طرف متوجہ ہوئے اور نہ ان کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر ظاہر ہوا۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھنا چاہتے ہو تو ابنِ زبیرؓ کی نماز دیکھو۔

حضرت ابنِ زبیرؓ نے اپنی زندگی میں متعدد حج کیے۔ (ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد شاید ہی کوئی حج ناغہ کیا ہو۔ بعض روایتوں کے مطابق انھوں نے کل آٹھ حج کیے) ایک مرتبہ خانۂ کعبہ میں سیلاب کا پانی جمع ہو گیا تھا۔ حضرت ابنِ زبیرؓ نے کئی فٹ گہرے پانی میں تیر کر طواف کیا۔

حضرت ابنِ زبیرؓ نہایت حق گو اور بے باک تھے۔ جو دل میں ہوتا زبان پر لے آتے اور کسی مصلحت کو خاطر میں نہ لاتے۔ حضرت امیر معاویہؓ بڑے طاقت ور فرماں روا تھے لیکن حضرت ابنِ زبیرؓ نے ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی پر اعتراض کیا اور کسی صورت میں بھی اس کو قبول کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔

خوارج کی ایک طاقت ور جماعت نے بعض شرائط پر ان کو امداد کی پیش کش کی۔ یہ بڑا نازک وقت تھا اور حضرت ابنِ زبیرؓ کو امداد کی شدید ضرورت تھی لیکن انھوں نے خوارج کی شرائط ماننے سے صاف انکار کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اپنے عقائد اور خیالات سے انحراف کرنے کے لیے تیار نہیں۔

حصین بن نمیر نے ان کو شام چلنے کی دعوت دی اور مدد کا وعدہ کیا بشرطے کہ وہ اس خوں ریزی کو نظر انداز کر دیں، جس کا ارتکاب گزشتہ چند ماہ میں شامیوں نے کیا تھا۔ لیکن ابنِ زبیرؓ ان کی اس ظالمانہ خوں ریزی کو معاف کرنے پر تیار نہ ہوئے اور حصین سے صاف کہہ دیا کہ وہ اس خوں ریزی کا بدلہ لے کر رہیں گے۔

ابنِ زبیرؓ نے تقریباً بارہ برس تک خلافت کی اس سارے عرصے میں انھیں ایک دن بھی

چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ بنو امیہ، مختار ثقفی، خوارج اور دوسرے مخالفین نے انھیں سخت پریشان کیا لیکن انھوں نے انتہائی نا مساعد حالات میں بھی ہمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور بڑے استقلال و استقامت کے ساتھ ہر قسم کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ محاصرۂ مکہ کے آخری دنوں میں بھی جب کام یابی کی کوئی امید نہ رہی تھی وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

پابندیِ سنت کے لحاظ سے بھی حضرت ابنِ زبیرؓ اپنی مثال آپ تھے۔ ہر کام میں رسولِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھتے تھے اور لوگوں کو بھی ایسا ہی کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ اپنے عہدِ خلافت میں انھوں نے احکامِ شریعت کے نفاذ و اجرا کے لیے طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہ کیا۔

حضرت ابنِ زبیرؓ کی شجاعت وشہامت، دوست اور دشمن سب کے نزدیک مسلّم تھی اور ان کا شمار شجاعانِ عرب میں ہوتا تھا۔ مشہور سپہ سالار مہلّب بن ابی صفرہ سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا، آج کل کن لوگوں کو شجاعانِ عرب کہا جاسکتا ہے؟

مہلّب نے جواب دیا۔ "مصعب بن زبیرؓ، عمر بن عبیداللہ اور عباد بن حصین کو۔

سوال کرنے والے نے حیران ہو کر کہا۔ "اور عبداللہ بن زبیرؓ؟"

مہلّب نے بے ساختہ جواب دیا۔ "وہ تو جن ہیں جن، میں عام انسانوں کا ذکر کر رہا ہوں۔"

مہلّب بن ابی صفرہ کا شمار قرنِ اوّل کے عظیم ترین مسلمان جرنیلوں میں ہوتا ہے۔ شجاعت کے مفہوم سے جس قدر وہ آگاہ تھے کوئی دوسرا کم ہی ہوسکتا تھا۔ ان کے نزدیک ابنِ زبیرؓ کی شجاعت اتنی غیر معمولی تھی کہ ان کے جیسے شجاعانہ کارناموں کی کسی جن ہی سے توقع کی جاسکتی تھی۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے "تاریخ الخلفاء" میں لکھا ہے کہ ابنِ زبیرؓ قریش میں بڑے شہسوار مشہور تھے اور ان کی بہادری کے اکثر واقعات زبان زدِ خواص وعوام تھے۔

حضرت ابنِ زبیرؓ اپنے والدین کے بے حد خدمت گزار تھے اور ان کی اطاعت کو اپنا جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔ جنگِ جمل کے موقع پر حضرت زبیرؓ نے حضرت عبداللہؓ کو وصیت کی کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرے سر پر جو بھاری قرض ہے اس کی ادائے گی تمھارے ذمہ ہوگی۔

حضرت ابنِ زبیرؓ نے والدِ گرامی کی وصیت کے مطابق ان کے قرض کی پائی پائی چکا دی اور بہ نظرِ احتیاط متواتر چار سال تک حج کے موقع پر اعلان کرتے رہے کہ کسی کا قرض میرے والدِ مرحوم کے ذمہ ہو تو وہ مجھ سے وصول کر سکتا ہے۔ جب ان کو پورا یقین ہو گیا کہ اب کوئی قرض خواہ باقی نہیں رہا تو والدؓ کی میراث تمام وُرثاء میں احکامِ شریعت کے مطابق تقسیم کر دی۔

والدہ حضرت اسماءؓ نے طویل زندگی پائی۔ ان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور دل و جان سے ان کی خدمت کرتے رہے۔ اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ان کی خالہ تھیں اور ان کو بہت محبوب رکھتی تھیں۔ انھی کے نام پر انھوں نے اپنی کنیت امِ عبداللہ رکھ لی تھی۔ جب تک وہ حیات رہیں، حضرت ابن زبیرؓ ان کا حد سے زیادہ ادب واحترام اور مالی خدمت کرتے رہے۔ اُمُّ المؤمنینؓ بے حد فیاض اور کشادہ دست تھیں۔ ابنِ زبیرؓ جو کچھ انھیں دیتے بہت جلد راہِ خدا میں صرف کر دیتیں۔ ایک دفعہ ابنِ زبیرؓ کے منہ سے نکل گیا کہ اگر خالہ جان نے ہاتھ نہ روکا تو آئندہ میں ان کی امداد نہ کروں گا۔ اُمّ المؤمنینؓ کو معلوم ہوا تو انھیں بہت رنج ہوا اور انھوں نے ناراض ہو کر قسم کھالی کہ اب عبداللہ سے کبھی نہ بولوں گی۔ جب ان کی ناراضی طول پکڑ گئی تو ابنِ زبیرؓ بہت گھبرائے۔ حضرت مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود کی وساطت سے خالہؓ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے گلے مل کر رونے لگے لیکن اُمّ المؤمنینؓ خاموش رہیں اس پر حضرت مسورؓ اور عبدالرحمٰنؓ نے حضورؐ کی یہ حدیث بیان کی کہ کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترکِ کلام جائز نہیں۔ امُّ المؤمنینؓ نے اشک بار ہو کر فرمایا، میں نے عبداللہ سے نہ بولنے کی قسم کھائی ہے اور قسم کا توڑنا بھی جائز نہیں لیکن وہ دونوں برابر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ امُّ المؤمنینؓ بھانجے سے راضی ہو گئیں اور قسم توڑنے کے کفّارہ میں چالیس غلام آزاد کیے۔

حضرت عبداللہؓ کو والدِ گرامیؓ کے ترکہ میں بہت بڑی جائداد ملی تھی۔ خود بھی متعدد جنگوں میں شریک ہوئے اور کافی مالِ غنیمت حاصل کیا تھا اس لیے فکرِ معاش سے بے نیاز تھے۔ تموّل کے باوجود وہ بہت کفایت شعار تھے لیکن جہاں جائز ضرورت ہوتی دل کھول کر روپیہ خرچ کرتے۔ اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ تو خیر ان کی خالہ تھیں انھوں نے دوسری اُمّہات المؤمنینؓ کی بھی مالی خدمت کرنے سے دریغ نہ کیا۔ کعبہ کی تعمیرِ نو پر بھی بے دریغ روپیہ

خرچ کیا۔ چوں کہ نہایت متقی تھے اس لیے سخی کہلانا پسند نہیں کرتے تھے۔ خود انھی لوگوں کی مدد کرتے تھے جن کے بارے میں یقین ہوتا تھا کہ واقعی حاجت مند ہیں۔ البتہ اپنی والدہ حضرت اسماءؓ اور خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ذریعہ (بالواسطہ) ہزاروں روپے راہِ خدا میں تقسیم کرتے رہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ازواج و اولاد کی صحیح تعداد اور تفصیل بتانا مشکل ہے کیوں کہ اس بارے میں مؤرخین کے بیانات میں بہت اختلاف ہے۔ ان کی ایک زوجہ ''خولہ بنتِ منظور فزاریہ'' کا نام بعض روایتوں میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اسی طرح بعض مؤرخین نے ان کے چار بیٹوں، خبیب، عباد، حمزہ اور زبیر کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔

شکل وصورت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے جلیل القدر نانا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بہت مشابہ تھے۔ (سفید رنگ، اکہرا جسم، رخساروں پر گوشت کم، پیشانی بلند اور آنکھیں قدرے اندر کو دھنسی ہوئی) بعض اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ ان کے چہرے پر بال نہیں تھے (یا بہت کم تھے) البتہ نہایت بارعب اور طاقت ور تھے۔ دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں پکڑ کر بے دریغ چلا سکتے تھے۔ بڑے اچھے شہسوار تھے اور فنونِ حرب میں بہت مہارت رکھتے تھے۔

(۱۳)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا زمانۂ خلافت بہت پُر آشوب تھا لیکن گوناگوں مشکلات کے باوجود انھوں نے اپنے زیرِ اقتدار علاقوں میں قرآن وسنت کے احکام نافذ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ وہ لوگوں کو لہو ولعب میں مبتلا ہونے سے سختی کے ساتھ روکتے تھے اور حضورؐ کی اس حدیث پر عمل کرتے تھے:

''جو شخص منکراتِ شرعیہ کو دیکھے تو اپنی طاقت سے ان کو مٹا دے۔''

انھوں نے اپنے دَورِ خلافت میں اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص شطرنج (نردشیر) کھیلتا ہوا پایا گیا تو خدا کی قسم میں اس کے بال کھنچواؤں گا اور اسے دُرّے لگاؤں گا۔ ایسے مجرم کے پکڑنے والے کو مجرم کے جسم کا تمام سامان ضبط کر کے دے دیا جائے گا۔

ابن زبیرؓ نے امارت وقضا کے محکموں کو ایک دوسرے سے جدا رکھا اور اپنے قضاۃ کو

ہدایت کی کہ وہ اپنے فیصلوں کی بنیاد ہمیشہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ پر رکھیں اور اس معاملہ میں کسی کی رورعایت نہ کریں۔

ابن زبیرؓ اپنے عمال کے انتخاب میں ہمیشہ زہد و تقویٰ اور دین داری کو ملحوظ رکھتے تھے۔ ان کے چند عمّال کے نام یہ ہیں:

حضرت عبداللہؓ بن یزید خطمی (مکہ معظّمہ۔ مختصر مدت کے لیے)

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ (حمص)۔ عبداللہ بن مطیع (کوفہ)

مہلّب بن ابی صفرہ (خراسان)۔ عبدالرحمٰن بن حجدم (مصر)

مصعب بن زبیرؓ (بصرہ)

ابن زبیرؓ اپنے عمّال پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اگر کسی عامل کے خلاف انھیں کوئی شکایت پہنچتی تو فوراً اس کی تحقیقات کراتے۔ اگر درست ثابت ہوتی تو شکایت کی نوعیت کے مطابق اس کا تدارک کرتے۔ ایک دفعہ انھوں نے اپنے بیٹے حمزہ کو بصرہ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اس نے بصرہ کے اشراف سے ناروا سلوک کیا۔ حضرت ابن زبیرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے فوراً حمزہ کو بصرہ کی امارت سے معزول کر دیا۔ ایک مرتبہ ان کے عامل مدینہ جابر بن اسود نے جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیّبؒ کو اس بنا پر کوڑوں سے پٹوایا کہ وہ ابن زبیرؓ کی بیعت سے انکار کرتے تھے۔ ابن زبیرؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ سخت رنجیدہ ہوئے اور ایک غضب آلود خط جابر کو لکھا جس میں اس کو اس زیادتی پر ملامت کی اور حکم دیا کہ خبردار سعیدؒ سے کوئی تعرض نہ کرو۔

حضرت ابن زبیرؓ نے تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ گول (مستدیر) درہم ڈھلوائے، درہم کی ایک طرف محمد رسول اللہ نقش تھا اور دوسری طرف اَمَرَ اللّٰہُ بِالْوَفَاءِ وَالْعَدْلِ۔

حضرت ابن زبیرؓ کے پاس برّی فوج کے علاوہ بحری فوج بھی تھی لیکن وہ اس کی تنظیم پر چنداں توجہ نہ دے سکے۔ مصعب بن زبیرؓ کے قتل کے بعد ان کی بری فوج کی طاقت بھی بالکل کم ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سیرت و کردار پر بہ غور نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے نہ کبھی کسی جوڑ توڑ اور سازش میں حصہ لیا اور نہ ملکی عہدوں کو سیاسی رشوت کے طور پر استعمال کیا۔

ان کے دورِ خلافت میں کئی موقعے ایسے آئے کہ وہ چاہتے تو سیاسی جوڑ توڑ سے کام لے کر اپنے حریفوں کو مات دے سکتے تھے لیکن انھوں نے ہمیشہ اپنا ظاہر و باطن یکساں رکھا اور کبھی چال بازی سے کام نہیں لیا۔ جو موقف پہلے دن حق سمجھ کر اختیار کیا آخر دم تک اس پر ڈٹے رہے نہ کوئی ترغیب و تحریص ان کو اپنی راہ سے ہٹا سکی اور نہ دشمن کی زبردست قوت ان کو ہراساں کر سکی۔ انھوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی اپنا حوصلہ بلند رکھا، سر کٹا دیا لیکن دشمن کے سامنے جھکنا گوارا نہ کیا۔ اگر وہ دوسرے سیاسی طالع آزماؤں کی طرح جوڑ توڑ سے کام لیتے یا مکہ معظّمہ سے باہر نکل کر نبرد آزما ہوتے تو شاید آج تاریخ اسلام کسی اور انداز سے لکھی جاتی لیکن انھوں نے اپنا دامن نہ مکر و فن سے آلودہ ہونے دیا اور نہ ارضِ حرم سے جدا ہونا گوارا کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض معاملات میں حضرت ابنِ زبیرؓ کے طرزِ عمل سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قرنِ اوّل کی ایک عظیم شخصیت تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ